عبدالعزیز ساحر کا نثری اسلوب اور ''محرابِ تحقیق''

ڈاکٹر شبیر احمد قادری
Dr. Shabbir Ahmad Qadri
Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:
Abdul Aziz Sahir has placed himself among the unique and prominent researchres of the current era. His research based book "Mahrab.e.Tahqiq" is not only important in its content but also, its stylistic approach is distinctive. In this article, the analysis of the said book is presented.

''محرابِ تحقیق'' ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کے منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔ خالصتاً علمی موضوعات پر ڈاکٹر صاحب نے کھل کر دادِ تحقیق دی ہے، تصوف اور ادب کے نمایندہ مشاہیر کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ جو درج ذیل ہے:

- ☆ حسام لاہوری: سترھویں صدی کا ایک غزل گو۔
- ☆ شیخ رحمت اللہ: پندرھویں صدی عیسوی کا ایک مثنوی نگار۔
- ☆ خلاصۃ الفوائد: سلسلۂ چشت کا ایک اہم مجموعۂ ملفوظات۔
- ☆ بہادر شاہ ظفر: دو نادر اور غیر مطبوعہ خط۔
- ☆ خیر الاذکار فی مناقب الابرار: تجزیاتی مطالعہ۔
- ☆ علامہ اقبال کی تین نادر اور غیر مدوّن آرائ: تعارف اور بازیافت۔
- ☆ ایک قدیم خطّی بیاض کا تعارفی مطالعہ۔
- ☆ مجالسِ کلیمی کا تنقیدی مطالعہ۔

موضوعِ تحقیق کے حوالوں سے محقق کی اپنی آراء سے واقفیت لازم ہے، اِن کا اظہار گاہ پیش لفظ میں ہوتا ہے گاہ متن سے اس کی کرنیں پھوٹتی ہیں، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کے ہاں یہ دونوں زاویے روشن ہیں:

> ''میرے نزدیک: تحقیق ایک طرح کا صوفیانہ عمل ہے، اس میں اُس گہرے انہاک اور استغراق کی ضرورت ہوتی ہے، جو راہِ سلوک کے مسافر کا لازمۂ سفر ہے جس طرح سالک اعتدال اور توازن کے حجرے میں بیٹھ کر انکشافِ ذات کے رنگوں میں بے رنگ کیفیات کی تجلیات سے لطف اندوز ہوتا ہے، اِسی طرح ایک محقق بھی ادب، تاریخ اور تہذیب کے دائروں میں سفر کرتا ہوا گوہر ہائے آب دار کی دریافت اور بازیافت سے نئے رنگوں کی کشید کرتا ہے۔ وہ حق کی تلاش میں سرگرم کار رہتا ہے اور اِس عمل میں اُس کی تلاش اور جستجو کے

رنگ دیدنی ہوتے ہیں۔''(۱)

مجموعے کا پہلا مضمون سترھویں صدی کے غزل گو حسام لاہوری کی ایک غزل کو زیرِ بحث لاتے ہوئے اس کے لسانی پہلو پر بات کی گئی ہے، یہ مضمون مختصر مگر اپنے گوناگوں اوصاف کی بنا پر تدوین کا قابلِ قدر نمونہ ہے، یہ غزل زاہر حسن فاروقی کے ہاتھ اس وقت لگی جب وہ نذر صابری کی وساطت سے دارالعلوم حمیدیہ اٹک کا مطالعہ کر رہے تھے، قلمی بیاض جس میں یہ غزل شامل تھی۔ زاہر حسن فاروقی نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

> ''صاحبِ بیاض نے سید حسّام الدین حسّام کی ایک مکمل غزل قلم بند کی ہے، بیاض میں اوراق نمبر دیے گئے ہیں۔ صفحات نمبر نہیں ہیں، افسوس کہ مرورِ ایام سے اس بیاض کے ابتدائی اوراق ضائع ہو چکے ہیں۔ اس لیے صاحبِ بیاض کا نام اور زمانۂ تحریر معلوم نہ ہو سکا لیکن تحریر، حروف کی ساخت، الفاظ کے ہجے (املا)، بیاض کی ترتیب و اندازِ تحریر، کاغذ کی قسم (نوعیت)، اِس کے قدیم ہونے پر دال ہیں، سید حسام الدین کی یہ غزل بظاہر ولی دکنی کے دور سے قبل کی محسوس ہوتی ہے۔''(۲)

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کے حاصلِ مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیاض ناقص الاول اور مختلف رسائل کا مجموعہ و عربی و فارسی زبان میں ہے، دیگر شعرا کے کلام کے علاوہ حسام لاہوری کی غزل نے جو اُن کا بے سود خوط ہے، اس بیاض کی اہمیت دوگنا کر دی ہے۔ اس غزل کو خطِ نسخ میں لکھا ہے تاکہ قاری کو اس غزل کے فہم میں آسانی ہو، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر نے اس غزل میں موجود (مشکل اور متروک) الفاظ کے معانی اور ان کا جدید اِملا بھی درج کیا ہے۔ یہی وہ حصہ ہے جس میں عہدِ قدیم کی زبان کی حامل غزل پڑھنے والے کو نئی لذتوں اور لطافتوں سے ہم کنار کرتی ہے، متروک الفاظ کے جدید املا اور ان کے معانی کو سمجھنا ازبس لازم ہے اور ساحر صاحب نے یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے مثلاً دوسرے شعر انکھیوں، کوں، تیری ان لفظوں کا جدید املا آنکھوں، کو، تیری ہے۔ لفظوں کو ملا کر لکھنے کا رجحان رہا ہے۔ آٹھویں شعر میں حقنیں اور نویں شعر بدل، دسویں شعر میں نھوئی ان کا جدید املا نہ ہو لکھا ہے، گیارہویں شعر کے قدیم و جدید املا کی صورتیں ملاحظہ ہوں: ''ابتو: اب تو۔۔۔ بنان۔ بنا، بن، بغیر۔۔۔ دُوجی۔ دوسری۔۔۔ جگی۔ جگہ۔۔۔ شہرنا۔ ٹھہرنا''

ساحر نے حسام لاہوری کی علمی حیثیت کو ان کے کلام کی روشنی میں جس طرح اجاگر کیا ہے اور اس عہد کے املائی نمونوں کو متعارف کرایا ہے، قابلِ تحسین عمل ہے۔

شیخ رحمت، پندرھویں صدی عیسوی کے مثنوی نگار بزرگ تھے، ان کے مختصر احوال ''گلزارِ ابرار'' کے توسط سے کیا ہے، ان کی مثنوی کا عکس اس بیاض سے لیا گیا ہے جو آستانۂ عالیہ چشتیہ، سلطان اور ضلع اٹک میں موجود ہے۔ عکس میں اشعار کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے، بدقت مطالعہ کے بعد مثنوی کے توضیحی حواشی قلم بند کر دیے گئے ہیں۔ مثنوی قدیم طرزِ املا کی حامل ہے، مکتوبہ و ملفوظی صورت کو جدید املا میں پیش کر دیا گیا ہے، مثلاً لفظ ''بولوں''، میں، کروں، کو نون غنہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ لفظوں کو باہم ملا کر لکھنے کا میلان بھی ملتا ہے۔ مثلاً دلجان (دل جاں)، اوسکوں (اس کو)، اونکی (ان کی)، جگمیں (جگ میں) کے لیجاویں (لے جائیں)، تمکو (تم کو)، ساحر کا علمی مزاج یہاں اپنی بہار دکھا رہا ہے، بتایا گیا ہے۔

> ''مثنوی ایک سو آٹھ (۱۰۸) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں چوالیس فقہی مسائل کو موضوع

سخن بنایا گیا ہے۔ مثنوی کے شعری اسلوب پر پنجابی کا رنگ گہرا اور نمایاں ہے۔ اس کی لسانی فضا میں پنجابی لفظوں کو بنت کاری دیدہ زیب ہے، بہت قدیم ہونے کے باوجود اس کی زبان انتہائی سادہ اور عام فہم ہے، البتہ املا کی روش، موجودہ دور میں مروج طریقۂ املا سے خاصی مختلف ہے۔'' (۳)

اگلا تخلیقی پڑاؤ، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ''خلاصۃ الفوائد'' ہے، جس کے مرتب اور جامع قاضی محمد عمر حکیم سیت پوری ہیں، اس غیر مطبوعہ مجموعے کے تعارف کے ذیل میں ساحر نے لکھا ہے:

''خلاصۃ الفوائد'' کا یہ مخطوطہ دو ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول کی دو فصلیں ہیں۔ فصل اول قبلۂ عالم کے اُن ملفوظاتِ گرامی کا احاطہ کرتی ہے، جن کی سماعت خود فاضل مؤلف نے کی۔ اِس حصے میں ۹۷ مجالس کی روداد شامل ہے، اِن ملفوظات کی جمع آوری کا سلسلہ کس سنہ میں آغاز ہوا، مرتب نے کہیں بھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا اور نہ ہی اس مجموعے سے کہیں اشارہ ملا کہ گل چینی کا یہ عمل کب تک جاری رہا؟'' (۴)

گویا یہ ایک مجہول نسخہ ہے تاہم ساحر کے شیوۂ تحقیق نے غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے مشتملات پر بحث کی ہے۔ اسے ایک اضافہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب تاریخ مشائخ حیثیت میں اسے سامنے نہیں رکھا۔

''i۔ حالانکہ اس باب میں اس مجموعے کو بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، اس مجموعے کی عدم دستیابی کی باعث اُن سے بعض اہم اور بنیادی امور نظر انداز ہو گئے۔'' (۵)

''ii۔ نقد ملفوظات کے مؤلف پروفیسر نثار احمد فاروقی (م ۲۰۰۴ئ) نے اپنی اس کتاب میں خلاصۃ الفوائد' کے حوالے سے سات اقتباسات نقل کیے ہیں لیکن ان میں سے کوئی اقتباس بھی ''خلاصۃ الفوائد' کے پیشِ نظر مخطوطے میں موجود نہیں۔'' (۶)

''iii۔ اسی طرح اُن کا گزر محمد بشیر اختر کے مترجمہ مجموعے میں نہیں ہوا۔ پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب میں اپنے مملوکہ خلاصۃ الفوائد کے ایک ناقص نسخے کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی صراحت نہیں فرمائی کہ یہ اقتباسات انھوں نے اس ناقص نسخے سے نقل کیے ہیں یا اُن کے پیشِ نظر کوئی دوسرا نسخہ رہا ہے، بہرحال جو بھی ہے، یہ اقتباسات خلاصۃ الفوائد کے نہیں۔'' (۷)

اس مخطوطے کو عکوس و نقوش کی شمولیت سے ''محرابِ تحقیق'' کی اہمیت کم از کم اس تحقیق کے تناظر میں مسلم و معتبر ہو گئی ہے۔

''بہادر شاہ ظفر: دو نادر اور غیر مطبوعہ خط'' کے زیرِ عنوان یہ مضمون تحقیقی ہے، بادشاہ نے یہ خط حضرت خواجہ محمد سلیمان خان تونسوی المعروف بہ خواجہ پیر پٹھان غریب نواز (م ۱۸۵۰ئ/ ۱۲۶۷ھ) کے نام تحریر کیے جو حافظ احمد یار کے ''مناقب شریف'' میں شامل ہیں۔ ان خطوں کے مطالعہ سے بقول ساحر جہاں ایک طرف بہادر شاہ ظفر کی ذہنی اور روحانی بصیرت کا

اندازہ ہوتا ہے وہیں دوسری طرف سلسلۂ چشتیہ کی ہر خاص و عام کے لیے شفقت اور پشت پناہی کا پتا بھی چلتا ہے، دونوں خط مرصع اور مقفّٰی اسلوب نگارش کا عمدہ نمونہ ہیں۔(۸) کتاب میں خطوط کے عکوس دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ساحر نے کس قدر علمی دیانت داری، عرق ریزی کے ساتھ ان کا مطالعہ کرنے کے بعد انھیں نئی املا کا دلکش زیور پہنایا بلکہ اپنی معرفت کیش طبع کی بدولت ان کا اردو ترجمہ بھی کیا۔ جہاں نے انھیں محسوس ہوا کہ خطوط کی ''ترتیب وتہذیب کے دوران میں دو تین الفاظ حسنِ تفہیم کی گرفت سے باہر رہے۔'' انھیں فکر وآہنگ کی معنوی تعبیر سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی۔ صورت نویسی کرتے ہوئے قوسین میں سوالیہ نشان لگا کر انھیں نشان زد کر دیا گیا۔ ترجمہ ندرت معنی کا اظہار بن کر سامنے آیا ہے، یہاں دونوں خطوں کی عبارت اور ان کے ترجموں کے سے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں تا کہ ساحر کی ترجمہ کاری کی بے پناہ صلاحیت کا اندازہ ہو سکے۔

متن پہلا خط:

''بعد سلامِ مسنون الاسلام وآرزوئِ زیارت فیضِ بشارت واضح خاطر شریف آئینہ پر انوارِ لطیف باد کہ ہر چند ایں نیاز مند درگاہِ الٰہی بظاہر متمکنِ درحال بیادِ ایزدی مصروف و پیوستہ بہ شغل باطنی مشعوف بہ باشند، مگر گاہ گاہی بمقتضای تعلقاتِ بشریہ مستلزیاتِ عاداتِ انسانیہ گونہ غفلتی وھو لیتی (؟) ھم رومید ھدو ازین تفرقۂ باطنی خیلی تاسف مستولیِ خاطر میگر ددو بغایت انقباضِ طبع می پیوندند۔''(۹)

ترجمہ:

''سلامِ مسنون کے بعد آرزوئے زیارت فیض بشارت انوارِ لطیف سے معمور خاطرِ شریف پر واضح ہو۔ اگر چہ یہ نیاز مند بظاہر دہلی کے تخت پر جلوہ آرا ہے، مگر اس کی نگاہ اُخروی اجر و ثواب پر لگی ہے اور یہ یادِ ایزدی میں منہمک اور شغل باطنی میں مشغول ہے، گاہے بگاہے بشری تقاضوں اور فطرتِ انسانی کے باعث غفلت سرزد ہو جاتی ہے اور یوں یہ باطنی انتشار مستولیِ خاطر کا سبب جاتا ہے اور انقباضِ طبیعت کو جکڑ لیتا ہے۔''(۱۰)

متن دوسرا خط:

''عارفِ معارفِ حقیقت، کاشفِ مکاشفِ طریقت، زبدۃ الاصفیا، برھان الاتقیا، سلالۂ اولیایِ عظام، عضادۂ اقطاب کرام، ھادیِ طریق ھذا، مھدی ھدایت راہِ خدا، مھبطِ انوارِ ایزدی، موردِ اسرارِ سرمدی، قدوۃ العالمین، عمدہ العارفین، محبوبِ خدا، مقبولِ مصطفی، تکیہ مریداں، دستگیرِ درماندگان، مخزن معدنِ کرامات زاداللہ برکاتھم وفیوُھم!''(۱۱)

ترجمہ:''ہدیہ سلام (کہ یہی تحفۂ اسلام ہے) کی پیش کش کے بعد، آستانۂ عالیہ کی خاک بوسی کی تمنا قدسی مثال ضمیر پر آشکار ہو، تو جہاتِ روز افزوں اور عنایاتِ گونا گوں سے معمور گرامی نامہ (جو کہ دلِ ناتواں کے لیے تقویت اور جاں کے لیے حرزِ تعویذ ہے) میاں حسام الدین چشتی کے ذریعے عین عالمِ انتظار میں موصول ہوا۔ دیدۂ منتظر کے لیے نور اور سینے کے لیے

باعث مسرور ہوا۔ اِن کلماتِ طیبات اور نکاتِ بابرکات کی محض سماعت ہی کے طفیل وہ پریشاں خاطری، جو مدت سے غنچے کی طرح انقباض کا باعث تھی، نسیمِ انبساط سے پھول کی طرح کھل اُٹھی اور لب ثنائے دل کو خوشی سے بھر دیا اگر قلم دو زبان کی ہزار زبانیں بن جائیں تو ان عظما کا ذرہ برابر شکریہ ادا نہ ہو، سوائے اس کے کہ یہ فقیر اس سر چشمۂ آب بقا کی بقا کے لیے دعا کرے۔'' (۱۲)

ان تراجم کا اسلوب بہاریہ تلازمے لیے ہوئے ہے، قوسین بندی کا عمل قلب ونظر کی طراوت کا سامان لیے ہوئے ہے، ترجمہ دل کشی اور رعنائی کی زیور سے آراستہ ہے۔ خوش اسلوبی، تراکیب نے ترجمے کو سینہ محبت کا گنجینہ بنا دیا ہے۔

''خیر الاذکار فی مناقب الابرار'' کا مطالعہ بھی سلیقے سے کیا گیا ہے۔ یہ احوال و مناقب پر مشتمل مجموعہ ہے، مرتب مولوی محمد گھلوی ہیں، فخر جہاں شاہ فخر الدین محمد دہلوی، قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاوری، خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ اور حافظ محمد سلطان پوری کے احوال کا احاطہ کرتا ہے۔ ساحر کا یہ کہنا کہ کیفیات کا آہنگ اس قدر مدھم اور مبہم ہے کہ وہ بلند ہو کر سُر تال کی بُنت میں کوئی کردار ادا نہیں کرتا، اُن کے اس نسخے کی خفتہ کو نمایاں کرنے میں دقت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاہم وہ اپنا تحقیقی سفر جاری رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس کے چار نسخوں کی تفصیل بہم پہنچائی ہیں۔

ا۔ عکسی نسخہ مملوکہ مولوی محمد رمضان معینی ،تونسہ مقدسہ

ب۔ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی ، چشتیاں شریف۔

ج۔ مخزونہ پنجاب یونیورسٹی ، لاہور۔

د۔ نامکمل عکسی نسخہ ، مملوکہ مولوی محمد رمضان معینی ،تونسہ مقدسہ۔

ان نسخوں کے تقابل کا حاصل یہ ہے:

''خیر الاذکار کے اِن چاروں نسخوں میں کہیں بھی کوئی ایسا تفاوت نظر نواز نہ ہوا، جو معنوی اعتبار سے متن کو متاثر کر رہا ہو، نسخہ 'ب' ' اور 'ج' ' میں بہت ہی کم مقامات پر لفظی اختلاف ہے اور جہاں کہیں اختلاف در آیا بھی ہے، تو وہ محض الفاظ کے چھوٹ جانے یا سہوِ کاتب کی وجہ سے ہے، ایسے لگتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ دونوں نسخے کسی ایک ہی نسخے سے تیار ہوئے ہیں کیونکہ ان جملوں کی ساخت، لفظوں کے فنی در و بست اور شخصیات کے اسما اور القابات میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔'' (۱۳)

بامعنی حواشی کے اندراج اور متنی عکوس کی موجودگی نے مضمون کی اہمیت کو دو چند کر دیا ہے، جہاں انھوں نے حقائق کی روشنی میں اختلاف رائے کے زاویے اجاگر کیے ہیں۔ مثلاً حاشیہ نمبر ۱۹ ملاحظہ ہو:

''انتخابِ گلشن اسرار کا نسخہ منتخب المناقب کے حاشیے پر لکھا گیا ہے، صفحہ ۸۸ پر یہ عبارت موجود ہے، اس عبارت سے بیک وقت دو امور پایۂ تحقیق کو پہنچ رہے ہیں۔

الف: یہ کہ ان کتابوں کے کاتب مولوی خدا بخش چوہان ہیں۔

ب: یہ کہ انتخاب گلشن اسرار کے مرتب مولوی خدا بخش چوہان ہیں۔

اس انتخاب کا ایک اردو ترجمہ بھی گلشن ابرار کے عنوان سے چھپا ہے، جس میں مرتب کے نام کی صراحت نہیں گئی، مترجم نے اِسے مولوی میاں محمد درزی کے نام سے موسوم کیا ہے، جو درست نہیں۔ اس کے ترجمہ نگار مولوی خدا بخش رضا ہیں۔'' (۱۴)

دوسری مثال ملاحظہ ہو: (حاشیہ نمبر ۲۸)

''راحت العاشقین: گلشن اسرار کے عنوان سے بھی معروف ہے اور اخبار الاذکار فی احوالِ مختار الاخبار'' بھی اسی کا نام ہے۔ مولوی چوہان نے اس کتاب کا انتخاب کیا ہے مگر اسے کسی نام سے موسوم نہیں کیا اور یوں عرفِ عام میں اسے ''گلشنِ اسرار'' کہہ دیا جاتا ہے جس سے غلطی در آنے کا اندیشہ ہے، لازم ہے کہ اسے ''انتخاب گلشنِ اسرار'' کہا جائے، تاکہ وہ مجموعہ گلشنِ اسرار، راحت العاشقین ''اخبار الاذکار'' سے علیحدہ حیثیت میں شناخت کیا جا سکے۔'' (۱۵)

''علامہ اقبال کی تین نادر اور غیر مدوّن آرائ: تعارف اور بازیافت'' پہلی دو آراء شمس الاطباء حکیم غلام جیلانی (۱۸۷۳ئ۔۱۹۲۶ئ) کی کتاب مخزن الحکمت اور ''تاریخ الاطبائ'' میں شامل ہیں۔ تیسری رائے محمد الدین فوق کی کتاب، ''ملک العلما علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی مع تاریخِ سیالکوٹ ومشاہیر سیالکوٹ'' پر دیباچے کی صورت جلوہ آرا ہے۔ ''مخزن الحکمت'' کے بارے میں کہنا ہے کہ کتاب حکمت یا گھر کا حکیم وڈاکٹر اردو زبان کے طبی لٹریچر میں ایک نہایت ہی مفید اضافہ ہے اور مصنف کے لیے باعثِ امتیاز ہے۔ دوسری رائے بھی کم وبیش ملتی جلتی ہے۔ فوق کی کاوش اور مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کی علمی وادبی کاوشوں کو سراہا گیا ہے۔ ان خطوں کی فراہمی اور تحقیقی قرینوں کے ساتھ پیشکش اقبالیاتی ادب میں اضافے کے طور پر یاد رکھی جائے گی۔

''ایک قدیم خطی بیاض کا تعارفی مطالعہ'' یہ بیاض انھیں ۱۹۹۲ء میں معروف محقق اور شاعر نذر صابری کے خزانۂ عامرہ سے دستیاب ہوئی۔ تین سو سات صفحات پر مشتمل بیاض کے مرتب اور جامع کی تعریف کی ہے۔ اسماعیل نامی شخص نے جو نوٹس لیے بہت سنبھلے ہوئے ہیں۔ ساحر نے مرتب بیاض کے نام کی عدم دستیابی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بنایا ہے:

''بظاہر تو ہمارے پاس شاید ایسے دلائل نہ ہوں جو کہ مرتب کے زمانی تعین میں معاون ہو سکیں لیکن ایسے داخلی شواہد ضرور موجود ہیں جو بیاض کے جامع اور مرتب کے عہد متعین کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر کاغذ اور سیاہی کی اقسام اور اندازِ کتابت اور املا کے اصول وضوابط جو پچھلی دو تین صدیوں میں برصغیر میں رائج رہے ہیں۔'' (۱۷)

ساحر نے قرآن وحدیث کے علاوہ ان کتب عربی وفارسی کتب ورسائل کی فہرست بھی جزو کتاب بنادی ہے جن کے اقتباسات اور ملخصات شاملِ بیاض ہیں اور اس رسالے کا اقتباس بطور نمونہ عکساً بھی فراہم کر دیا ہے۔

اگلا مضمون ''بارہ ماھیۂ نجم: ایک تنقیدی جائزہ ہے'' جس پر ابتداً اظہارِ خیال کیا جا چکا ہے۔

محرابِ تحقیق کا آخری مقالہ ''مجالس کلیمی کا تنقیدی مطالعہ'' ہے، یہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ئ) کے ملفوظاتِ گرامی پر مشتمل ہے۔ یہ مطبع برہانیہ، حیدر آباد سے ۱۳۲۸ھ میں شائع ہوئی لیکن اب یہ مطبوعہ نسخہ نایاب ہے۔ ساحر نے اس نسخے کی تعبیرات کے ذیل میں پروفیسر خلیق احمد نظامی اور پروفیسر محمد اسلم کی کاوشوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، ثانی

الذکر نے اس نسخہ کے مالہ و ماعلیہ پر جو لکھا اسی کو انتقادی مطالعے کی بنیاد قرار دیا گیا ہے جو ۲۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ ۱۴ مجالس کی تفصیل شاملِ کتاب ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ساحر نے پروفیسر محمد اسلم کے بعض تسامحات کی نشان دہی بھی کردی ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں جن سے ساحر کی تحقیق مزید کی جانب پیش رفت کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔

''۱۔ شاہ کلیم اللہ نے ایک روز حاضرینِ مجلس کو بتایا کہ شاہی کتاب خانے میں ''فصوص الحکم'' کا ایک نسخہ تھا، جو مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، فرخ سیر نے وہ کسی نااہل شخص کو دے دیا اور اُس نے ضائع کر دیا۔''

یہ رائے ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت، ص ۴۶۶ پر درج ہے، ساحر اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''پہلی بات تو یہ ہے کہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے حاضرین کو نہیں بتایا کہ فصوص الحکم کا نسخہ فرخ سیر نے کسی نااہل کو دے دیا اور دوسرا یہ کہ ''اور اس نے ضائع کر دیا۔۔۔'' زائد از متن ہے اور مقالہ نگار کا اضافہ۔''(۱۷)

۲۔ خلیق احمد نظامی کی کتاب تاریخِ مشائخ چشت'' سے ایک عبارت:

''گامکار حسینی دہلی میں ہی تھے کہ بھائی کے انتقال کی خبر وحشت ان کو ملی۔''

ساحر نے اس سے اختلاف کی راہ یوں نکالی:

''خواجہ گامکار قیام دہلی کے دوران میں اپنے بھائی خواجہ نورالدین حسینی کی وفات سے بے خبر رہے، ''مجالس کلیمی'' کی کسی بھی مجلس میں اُن کی رحلت کا ذکر نہیں ہوا۔ اگر توجہ سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا ذکرِ خیر جن مجالس میں بھی آیا ہے، اس سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً: پہلی اور آٹھویں مجلس کے احوال وغیرہ۔''(۱۸)

مقالہ ''مجالس کلیمی'' کے دو متنی عکوس اور پندرہ وقیع حوالہ جات سے مزین ہے۔

''محرابِ تحقیق'' کے اختتام پر اشاریہ بھی ترتیب دیا گیا ہے جو اشخاص، رسائل، کتاب، اماکن، پر مبنی ہے:

''اُردو جملے میں رنگ، روشنی اور خوشبو سے اس کا داخلی نظام مراد ہے، جدید لسانیاتی اسلوب میں اُردو جملے کا مطالعہ داخلی اور خارجی حوالے سے اس کی مکمل اکائی کو نمایاں کرتا ہے، کیوں کہ سُر کا اُتار چڑھاؤ لفظوں کے باہمی تعلق سے استوار ہوتا ہے اور یہ تعلق جملے کے مجموعی لسانی آہنگ کو جنم دیتا ہے، جس سے لفظوں کی موسیقی جملے کے پورے خارجی ماحول کو رِدھم سے معمور کر دیتی ہے۔''(۱۹)

ڈاکٹر عبدالعزیز کے کمالاتِ تحقیق و تدوین کا سب سے نمایاں زاویہ ان کا جمالیاتی طرزِ احساس ہے جس کے تابع تحقیقی زبان پر وہ یبوست طاری دکھائی نہیں دیتی جو بعض محققین کے ہاں دکھائی دیتی ہے، وہ شاعر ہیں سو اُن کی نثر خمیدہ سر ہو کر آگے بڑھنے کے بجائے یک گونہ رنگِ تفاخر کا احساس فراواں دامن گیر رکھتی ہے۔ ان کے قلمِ صدق اظہار سے نکلے ہوئے جملے دراصل اس امر کی جانب اشارہ کناں ہیں کہ مستقبل میں تحقیقی زبان کیسی ہونی چاہیے۔ وہ اس امر پر یقین رکھتے ہیں تحقیقی نتائج مرتب کرتے ہوئے قارئین کو تختۂ مشق و مزاولت بنانے کے بجائے ان سے ایسی دلآویز زبان میں بات کی جائے جس سے وہ

تحقیقی امور کو بوجھ سمجھنے کے بجائے سہولت کے ساتھ آگے بڑھنے کے قابل ہوں۔ ساحر کی یہ رائے اس ضمن میں بہت اہم ہے:

''میں نے اِن مقالات میں اُس خوشبو کو کشید کرنے کا جتن کیا ہے۔ معلوم نہیں اس خوشبو کی عکس گری میں کہاں تک کامگار رہا ہوں، لیکن یہ ضرور ہے کہ میں نے اس سلسلۂ فکر و عمل سے اکتسابِ فیض میں کوتاہی نہیں کی۔''(۲۰)

ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے ساحر کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے لکھا ہے:

''ساحر صاحب تحقیق اور تنقید کے تو مردِ میدان ہیں ہی نثر بھی خوب لکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ ساحر صاحب کی تحقیق کے ساتھ ان کی سحر طراز نثر سے بھی لطف اٹھایئے۔''(۲۱)

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کی یہ تحقیقاتِ علمی، چشتیہ ادب ہی نہیں مجموعی طور پر ادبی تحقیق میں یادگار حیثیت کی حامل قرار پائے گی۔

حوالہ جات

۱۔ ساحر، عبدالعزیز، ڈاکٹر، پیش لفظ: محرابِ تحقیق، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۱۲ئ ص:۷

۲۔ زاہر حسین فاروقی، بحوالہ: محرابِ تحقیق، ص:۱۲۔۱۱

۳۔ ساحر، عبدالعزیز، ڈاکٹر، محرابِ تحقیق، ص:۴۷

۴۔ ایضاً، ص:۵۰

۵۔ ایضاً، ص:۵۳

۶۔ ایضاً، ص:۵۵

۷۔ ایضاً، ص:۵۵

۸۔ ایضاً، ص:۷۹

۹۔ ظفر، بہادر شاہ، متن پہلا خط، مشمولہ: محرابِ تحقیق، ص:۸۰

۱۰۔ ساحر، عبدالعزیز، مترجم: خط مذکورہ، مشمولہ: محرابِ تحقیق، ص:۸۳۔۸۲

۱۱۔ ظفر، بہادر شاہ، متن دوسرا خط، مشمولہ: محرابِ تحقیق، ص:۸۱

۱۲۔ ساحر، عبدالعزیز، مترجم: خطِ مذکورہ، مشمولہ: محرابِ تحقیق، ص:۸۳

۱۳۔ ساحر، عبدالعزیز، محرابِ تحقیق، ص:۱۰۵

۱۴۔ ایضاً، حاشیہ، ص:۱۰۹

۱۵۔ ایضاً، حاشیہ، ص:۱۱۱

۱۶۔ ایضاً، ص:۱۲۰

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۵۱

۱۸۔ ایضاً، ص:۱۵۲

۱۹۔ ساحر، عبدالعزیز، ڈاکٹر، اُردو جملے کی ساخت میں سُر کی جلوہ آرائی، مشمولہ: دریافت، تحقیقی مجلہ، شمارہ نمبر ۸، (مدیران: ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر